ہندوستانیت کے نقیب: مہاتما گاندھی

ڈاکٹر عمیر منظر

مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی۔لکھنؤ کیمپس،504/122 ٹیگور مارگ، شباب مارکیٹ۔لکھنؤ، موبائل نمبر 8004050865

مہاتما گاندھی کی شخصیت کی سادگی اور ان کے افکار کا تنوع عام دلچسپی کا موضوع رہا ہے۔ ہندوستان جیسے کثیر لسانی اور ثقافتی ملک میں وہ اعلیٰ ظرفی اور کشادہ دلی کے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں۔انھوں نے جدوجہد آزادی کے سخت زمانے میں برطانوی سامراج کے سامنے ہندوستانیوں کی نمائندگی غیر معمولی جرأت کے ساتھ کی۔گاندھی جی نے ہندوستان کو جدوجہد آزادی کی راہ پر جس طرح ڈالا اس سے ہندوستان کو غلامی سے نجات ملی، مگر گاندھی جی کی یہ کوشش ایک تحریک کی صورت میں دنیا میں پھیل گئی۔ دوسرے متعدد ممالک نے اس کے اثرات کو قبول کیا اور وہ آزادی کے لیے سرگرم عمل ہوگئے۔گاندھی جی کی یہ عطا نہ صرف تاریخی ہے بلکہ اسے انسانیت کے مجد و شرف سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

گاندھی جی بظاہر بہت نرم دل اور سادہ انسان تھے، لیکن آزادی کے لیے انگریزوں کے سامنے اپنے اصولوں سے انحراف نہ کرنے والی ایک اٹل شخصیت کے مالک تھے۔انہیں معلوم تھا کہ وہ کسی ایک فرد، طبقے یا کسی خاص لسانی گروپ کی نمائندگی نہیں کررہے ہیں بلکہ وہ کثیر لسانی، ثقافتی اور تہذیبی ملک کی نمائندگی کررہے ہیں۔کثرت میں وحدت ہی جس کی شناخت ہے۔برطانوی سامراج نے اسی بنیادی شناخت کو متزلزل کرنے کا بیڑا اٹھا رکھا تھا اور شاید افتراق کی اسی صورت میں ان کے اقتدار کی مدت دراز ہوتی چلی گئی۔

گاندھی جی کا مخصوص لباس ان کی شخصیت کی شناخت بن گیا تھا۔لوگوں کو یہ یقین کرنا مشکل ہوتا تھا کہ ایک نیم برہنہ اور ہڈی پسلی کے انسان میں آخر اتنی طاقت کہاں سے آگئی ہے کہ جس نے پورے سامراج کو ہلا رکھا ہے۔ آئنسٹائن نے گاندھی جی کے بارے میں کہا تھا: ''آئندہ نسلوں کے لیے یہ باور کرنا مشکل ہوگا کہ ایک ہڈی پسلی کے انسان نے برطانوی سامراج کی چولیں ہلا دی تھیں''۔نمک ستیہ گرہ کے بعد جب گاندھی جی دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے تو رائل پیلس کی سیڑھیوں سے اترتے ہوئے ان کو دیکھ کر ایک انگریز رپورٹر نے کہا تھا: ''حیرت ہوتی ہے کہ کیسے اس نیم برہنہ انسان نے برطانوی سامراج کو جھکنے پر مجبور کردیا۔'' دراصل گاندھی جی محض ایک فرد نہیں بلکہ ایک تحریک تھے۔انھیں معلوم تھا کہ ہندوستان کا بچہ بچہ ان سے نہ صرف جذباتی لگاؤ رکھتا ہے بلکہ اس کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا سکتا ہے۔مولانا محمد علی جوہر نے اسی لیے ایک تقریر میں برملا گاندھی جی کو بڑے سیاسی رہنما ہونے کا اعتراف کیا تھا۔عدم تعاون کی تحریک اور چوراچوری کے واقعے کے بعد گاندھی جی نے اپنے خلاف اٹھنے والی بعض آوازوں کے تناظر میں کہا تھا کہ اگر میرے کسی منصوبے پر عمل میں کسی کو دقت درپیش ہو تو میں ہندوستان کی سرزمین میں وہ زرخیزی دیکھ رہا ہوں کہ جب چاہوں ایک نئی تحریک کھڑی کرسکتا ہوں اور آزادی کی یہ جدوجہد اسی طرح جاری و ساری رہے گی۔ دراصل گاندھی جی کو ایک عام آدمی کے ساتھ جو لگاؤ اور تعلق تھا اور جس طرح وہ عام ہندوستانیوں (بلا تفریق مذہب و ملت) سے انس و محبت رکھتے تھے اس کے نتیجے میں ہی ان کو ہمیشہ یہ احساس رہا کہ میری پشت پر پورا ملک ہے۔عدم تعاون اور عدم تشدد کے فلسفے اور عمل نے ان کو مزید طاقت بخشی۔واضح رہے کہ کانگریس میں گاندھی جی شمولیت کے بعد سے ہی وہ عام ہندوستانیوں کی پارٹی بن سکی۔ یہاں بھی گاندھی جی کا وہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انھوں نے خاص گروپ اور طبقے کے بجائے تمام ہندوستانیوں کی ترجمانی کی اور انھیں آزادی کی تحریک میں شمولیت کے لیے ایک پلیٹ فارم دیا۔دراصل انگریز ہماری جس کمزوری سے فائدہ اٹھانے کے لیے مواقع کی تلاش میں رہتے تھے گاندھی جی نے اس کمزوری کو دور کرنے اور ایک عمومی منطقی جواز فراہم کرنے کے لیے پوری طاقت لگادی۔

کثرت میں وحدت کا صدیوں پرانا فلسفہ جو کہ ہندوستانی تہذیب کی خصوصیت رہی ہے، اسے گاندھی جی نے مثبت انداز (Fusion) میں لیا، لیکن اسی خوبی کو بدنما (Fission) بنا کر انگریزوں نے استعمال کیا۔''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی پالیسی اختیار کی۔ برطانوی سامراج نے اسی پالیسی کے تحت ہندوستان میں راج کیا اور اگلے سو سال تک حکومت کرنے کا منصوبہ بنایا مگر گاندھی جی جو خود اس کلیدی جملہ کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے انھوں نے ہندستان کے ہر طبقے کو متحد رکھنے میں کام یابی حاصل کی اور یہی کامیابی دراصل تحریک آزادی کی صورت میں ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو صبح آزادی کی شکل میں تبدیل ہوگئی۔ایسی صورت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ گاندھی جی نے ہندوستان میں متحدہ قومیت کا پرچم بلند کرنے کے لیے جو کوششیں کی تھیں آزادی اسی کا نتیجہ ہے۔ ہم آزادی کی ہوائے خوش گوار سے اسی وقت تک مستفید ہوتے رہیں گے جب تک کہ متحدہ قومیت کی صورت میں خود کو سرخرو کرتے رہیں گے۔تقریباً سات دہائیوں سے زائد کا عرصہ گزر جانے کے بعد اب یہ صورت بالکل صاف ہوچکی ہے کہ متحدہ قومیت کی اہمیت کل بھی تھی اور آج بھی ہے۔تکثیری سماج

میں یہ ترقی کا سب سے مضبوط زینہ قرار پائے گا اور اس کے علاوہ جو بھی صورت ہوگی چاہے دوقومی نظریہ ہو یا کوئی اور اس کی بنا پائیدار نہیں ہوسکتی۔ ملیشیا، سنگاپور اور جاپان جیسے کثیر ثقافتی ممالک نے دوقومی نظریے کی راہ نہیں اختیار کی جس کے نتیجے میں آج وہ ترقی یافتہ ممالک کی فہرست میں شمار ہوتے ہیں۔ جب کہ ہم متحدہ قومیت کے تصور کو شاید نہ اپنانے کی وجہ سے ہی ابھی تک ترقی پذیری کا بار جھیل رہے ہیں۔

ہندوستانیت کا ایک کلیدی نکتہ اتحاد اور باہمی یگانگت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ مہاتما گاندھی نے ہمیشہ اس نکتے پر زور دیا اور باور کرایا کہ تعمیر و ترقی کی راہیں اسی اتحاد میں پوشیدہ ہیں۔ اس کا سب سے اہم مظہر تو جدوجہد آزادی کی تحریک ہے۔ کیونکہ نہ صرف گاندھی جی بلکہ آزادی کے بیشتر رہنماؤں نے ہندو۔ مسلم اتحاد پر زور دیا تھا اور کہا تھا کہ اس کے بغیر آزادی کا حصول ممکن نہیں۔ گاندھی جی نے مختلف مواقع پر نہ صرف اتحاد پر زور دیا بلکہ تہذیبی، تاریخی اور مذہبی دلائل کی روشنی میں یہ بات کہی۔ اس اتحاد کے تئیں انھوں نے عدم تشدد کے فلسفے کو رہنما اصول کے طور پر پیش کیا اور بتایا کہ برداشت اور ایک دوسرے کو قبول کرنے کی صلاحیت ہم میں ہونی چاہیے:

''ہمیں اپنے باہمی تعلقات میں عدم تشدد کا رویہ اختیار کرنا لازمی ہے۔ دونوں فریقوں کا یہ مشترک مقصد ہونا چاہیے کہ ان میں کوئی ڈنڈے کے زور سے اپنی بات منوانے کی کوشش نہ کرے بلکہ جب کبھی اختلافات پیدا ہوں تو دونوں انھیں پنچوں کے ذریعہ سے یا جی چاہے تو عدالتوں کے ذریعہ سے طے کرلیں''۔

(گاندھی جی اور ان کے خیالات، عبداللطیف اعظمی، علمی ادارہ، جامعہ نگر، نئی دہلی، ص:۸۱)

ہندستان مختلف زبانوں کا گہوارہ ہے البتہ اس میں اردو اور ہندی کی اہمیت زیادہ ہے۔ انگریزوں نے اپنے زمانے میں ہی اردو اور ہندی کا مسئلہ محض ہندوستان کی دوقوموں کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کے لیے کھڑا کیا تھا۔ گاندھی جی تحریک آزادی کے زمانے میں ہی انگریزوں کی چال کو نہ صرف سمجھ گئے تھے بلکہ اس پر ان کی ایک مثبت رائے تھی۔ وہ زبان کے نام پر انتشار نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ ان کا خیال تھا کہ ہم اردو اور ہندی کے بجائے 'ہندوستانی' کو فروغ دیں اور بول چال کی سطح پر ایک ایسی زبان کو پورے ملک میں عام کریں جسے ہم 'ہندوستانی' کہہ سکیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے معارف (ستمبر ۱۹۴۸ء) کے شذرات میں وردھا میں منعقد ہونے والے اُس اجلاس کی تفصیل لکھی ہے، جس میں 'ہندوستانی' کو ہندوستان کی عام زبان بنانے کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ سید صاحب خود اس اجلاس میں شریک تھے اور انھوں نے اس کی تائید کی تھی۔

گاندھی جی نے متعدد مواقع پر اس خیال کا اظہار کیا اور لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ زبانوں کے اختلاف میں دراصل ہمارا استحکام پوشیدہ ہے۔ انھوں نے ہندوستان کو زبانوں کا سنگم بھی اسی لیے قرار دیا تھا اور خیال ظاہر کیا تھا کہ اس سے ہم ایک دوسرے کو تقویت دے سکتے ہیں۔ ہریجن سیوک کے ایک شمارے میں گاندھی جی نے بطور خاص ہندوستانی زبان کی وضاحت کی تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

''ہندوستانی ہم اس زبان کو کہتے ہیں جسے اتر ہندوستان میں آدمیوں کا بہت بڑا طبقہ بولتا ہے اور ہم مانتے ہیں کہ جو شبد عام کاروبار میں استعمال ہوتے ہیں، انھیں چن کر ہندوستانی کے ذخیرے میں داخل کرلینا چاہیے اور ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ اردو ہندی دونوں کو اور ادب میں استعمال ہونے والی بھاشاؤں کو ان کی ترقی کے لیے پورا موقع ملنا چاہیے۔''

(ہریجن سیوک، ۱۸، ستمبر ۱۹۳۷ء)

گاندھی جی نے اردو اور ہندی کے علما کی مدد سے ایک ایسی ڈکشنری بنانے کی بھی تجویز رکھی تھی جو 'ہندوستانی' لفظوں پر مشتمل ہو۔ اس کے ذریعہ وہ دونوں زبانوں کو قریب لانا چاہتے تھے۔ گاندھی جی کے ان خیالات سے بآسانی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ زبان سے ان کا یہ تعلق دراصل ملک سے غیر معمولی محبت کا اعلامیہ تھا۔ وہ زبان کے اختلافات سے پیدا ہونے والے انتشار کو سمجھ رہے تھے اور اسی لیے انھوں نے ہندوستانی کی تجویز رکھی تھی۔ جس میں سب کے لیے ترقی کے یکساں مواقع ہوتے۔

کوئی بھی مہذب سماج اخلاقیات کے بغیر تشکیل نہیں دیا جاسکتا۔ ہندوستان تو مذہب و تہذیب کا گہوارہ ہی ہے۔ گاندھی جی نے عام اخلاقی رویوں پر خاص طور سے زور دیا اور کہا کہ اخلاقی برتری کے بغیر ہم نہ اپنے اثرات مرتب کرسکتے ہیں اور نہ اس ہندوستانیت کو فروغ دے سکتے ہیں جو صدیوں سے ہماری شناخت کا اہم حوالہ ہے۔ گاندھی جی کی وفات کے بعد مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی نے خراج عقیدت پیش کرتے لکھا تھا:

''اس نے (گاندھی جی) دنیا کو الفت و محبت اور اخوت و مساوات کا پیام دیا اور اخلاق و روحانیت کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا اور بے تیغ و تفنگ کے اخلاقی قوت سے فتح حاصل کرنا اور دلوں کو مسخر کرنا سکھایا اور عملاً ثابت کرکے یہ دکھادیا کہ دنیا میں اصل طاقت اسلحہ کی نہیں بلکہ اخلاق کی ہے اور اسی کے ذریعہ دنیا میں ہندوستان کا سر اونچا کیا جاسکتا ہے''۔

(ماہنامہ معارف، فروری ۱۹۴۸ء ص:۸۳۔۸۲)

گاندھی جی نے اعلیٰ ظرفی، کشادہ دلی، سچائی اور خلوص کے ساتھ اپنی زندگی کا سفر طے کیا اور تمام باشندگان وطن کو بھی اسی راستے پر گامزن رہنے کی تلقین کی۔ انھیں معلوم تھا کہ یہ ملک جس میں صرف زبان و تہذیب اور مذہب کا ہی تنوع نہیں ہے بلکہ موسم اور یہاں کی فضا بھی بڑی پُر بہار ہے۔ اسی لیے اس راستے کو اختیار کیا تاکہ باشندگان ملک اپنی تمام تر وسعتوں اور رعنائیوں کے ساتھ زندگی کا سفر طے کرسکیں۔ ◆◆◆